پروفیسر مولانا علم الدین سالک
مرتب: پروفیسر احسان الٰہی سالک

مراد بیگم عُرف مُغلانی بیگم

(۲)

روشن الدولہ رستم جنگ نواب بھکاری خان کی شورش

ابدالی سے سند حاصل کرنے کے بعد بھی بیگم کا راستہ صاف نہیں ہوا تھا۔ ابھی اسے بہت سی مشکلات سے دوچار ہونا تھا۔ قدم قدم پر رکاوٹ اور جگہ جگہ مصیبت تھی جسے دور کیے بغیر نہ اس کا راستہ صاف ہو سکتا اور نہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ دہلی میں اس کے دشمن موجود تھے، جو اس کے اقتدار پر حسد کرتے تھے اور اسے زک کر کے اپنے حسد و عداوت کی تسکین چاہتے تھے۔ اس کے اپنے دربار میں بھی ایسے بدخواہ اور ذلیل ذہنیت رکھنے والے امرا کی کمی نہ تھی جو یہ خیال کرتے تھے کہ ان کا اقبال اس کے زوال سے وابستہ ہے۔ بعض ایسے تھے جو معین الملک کی وفات کے بعد اس کے خُردسال بچے کی نظامت میں کسی بڑے عُہدے کی امید رکھے تھے۔ مگر انھیں امیدوں میں ناکامی ہوئی تھی، اس لیے وہ بھی اس کے خلاف تھے۔ ایسے امیروں میں نواب بھکاری خان بھی تھا۔ وہ معین الملک کا جگری دوست، سچا بہی خواہ اور با اختیار اہل کار تھا اور اس کی سرکار میں مختار و مدار المہام تھا۔ اس نے بڑی بڑی خدمات سرانجام دی تھی۔ وہ ان چند امرا میں سے ایک تھا جن پر معین الملک پورا اعتماد رکھتا تھا اور اپنے مخلص جانثاروں اور باوفا دوستوں میں شمار کرتا تھا۔ ان خدماتِ جلیلہ کی بنا پر جو وہ معین الملک کی سرپرستی میں انجام دے چکا تھا اور جس کا علم دہلی دربار کو بھی تھا وہ خیال کرتا تھا کہ معین الملک کے خُردسال بچے کی نظامت میں نیابت کا عہدہ اسے ضرور ملے گا اور وہ پہلے کی طرح صوبے اور ناظم کے خاندان کی خدمات بجالاتا رہے گا۔ مگر حالات اور واقعات نے اس کے ان ارادوں کے خلاف پلٹا کھایا۔ بھکاری خان کی خواہشات کے خلاف منعم خان اس جلیل القدر رتبے پر فائز ہوا، جس کی تاک میں وہ لگا بیٹھا تھا۔ اس ناکامی اور مایوسی نے اس کے جذبات اور غم و غصے کو بے حد مشتعل کیا۔ وہ رنج کی وجہ سے آپے سے باہر ہو گیا اور اس شکست کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کیا، اس ارادے

کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے دہلی کا رُخ کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ معین الملک (میر منو) کا بھائی انتظام الدولہ اپنی بھاوج کے خلاف تھا اور اُسے قدم قدم پر زک دیتا تھا۔ اُسے مصیبتوں میں اُلجھا کر خوش ہوتا تھا۔ بھکاری خاں کو اس مخالفت اور عداوت کا علم تھا اور وہ اس سے پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اب وقت آگیا ہے کہ نیابت کی کوشش کی جائے اور انتظام الدولہ کو اس کا ذریعہ بنایا جائے۔ وہ مغلانی بیگم کو تکلیف میں ڈالنے کے لیے اس کی پوری مدد کرے گا۔ اس طرح اسے نیابت کی سند مل جائے گی۔ ان خیالات اور ارادوں کو دل میں پالتے ہوئے وہ دہلی کے وزیر انتظام الدولہ سے ملا۔ وہ بھی بھکاری خاں کو مغلانی کے خلاف پاکر بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے دستخطوں سے اسے نیابت کی سند عطا کی اور اپنی کامل اعانت کا یقین دلاتے ہوئے اُسے فوراً لاہور پہنچنے کا حکم دیا۔ بھکاری خاں شاداں و فرحاں لاہور آیا، نیابت کی سند پیش کی۔ مُغلانی بیگم یہ دیکھ کر حیران رہ گئی، مگر اس نے حوصلہ نہ ہارا۔ وہ بڑے دل گردے کی عورت تھی۔ اس نے فرمان اور سندِ نیابت کو ماننے سے انکار کر دیا اور بھکاری خاں کو ذلیل کر کے دربار سے نکال دیا۔ بیگم کے اس رویے اور اپنے مقاصد میں ناکامی سے اس کا غرور ٹوٹ گیا اور مایوسی اور ناکامی کے عالم میں اس نے فیصلہ کیا کہ اب اُسے پنجاب کی حکومت جبر و تشدد اور استبداد اور قوت کے استعمال سے حاصل کرنی چاہیے۔ اس فیصلے کے بعد اس کے دربار میں آمد و رفت ترک کر دی اور سازش کا وسیع جال بچھایا۔ اس نے خفیہ طور پر شر پسند قسم کے لوگ اپنے ساتھ ملانے شروع کیے اور تھوڑے ہی عرصے میں بہت سے افراد اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ قصور کے پٹھانوں نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ جب اُسے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا تو اس نے بغاوت کا اعلان کیا اور اپنے محلات کے چبوتروں پر توپیں نصب کر دیں۔ بیگم نے ان حرکات سے روکنا چاہا مگر شورش پسندی کا بھوت اس کے سر پر سوار تھا۔ اس نے اس فہمائش کو بیگم کی کمزوری پر محمول کیا اور پہلے سے زیادہ عزم کا اظہار کیا۔ بیگم کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر میدان میں اُتر آیا اور اپنے حریفوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ وہی حقیقی طاقت و قوت کا سرچشمہ ہے، اس نے لوگوں کو دبانا شروع کیا اور ہر طریقے سے رعایا کو پریشان کرنے لگا۔ اس نے مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کرنے کے لیے سنہری مسجد کی بنیاد بھی رکھی۔ کہتے ہیں جب یہ مسجد تعمیر ہو کر تیار ہوئی تو ایک شاعر نے چپ چاپ یہ شعر رات کی تاریکی میں مسجد کے دروازے پر لکھ دیا:

بناکردہ مسجد بھکاری خان بلشت زراز زندہ بگرفت و از مردہ خشت

نواب نے یہ شعر پڑھا تو مارے غصے کے پیچ و تاب کھانے لگا اور برافروختہ ہوکر شاعر کی گرفتاری اور قتل کا حکم دیا۔ مگر پوری تحقیق و تفتیش کا نتیجہ سوائے ناکامی کے اور کچھ نہ ہوا اور اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔[۱]

ادھر بیگم بھی غافل نہ تھی، وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور بظاہر خاموش اور بے تعلق معلوم ہوتی تھی مگر اندر ہی اندر تدبیر کر رہی تھی اور حالات کا مقابلہ کرنے اور بھکاری کے ارادوں کو ناکام بنانے میں مشغول تھی۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھی کہ اگر بھکاری خان کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ آزادانہ طور پر جو چاہے کرے اور اس کی باغیانہ حرکات اور شورش پسندانہ عزائم سے چشم پوشی کر لی جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اختیارات اور حکومت اس کے ہاتھ سے نکل جائیں گے اور اسے اور اس کی اولاد کو ذلت و رسوائی سے نامرادی اور ناکامی کی موت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ جانتی تھی کہ قوت کے دو زبردست ستون رعایا اور سپاہ ہیں۔ اگر انھیں قبضے میں کر لیا جائے تو پھر وہ ہر طرح سے محفوظ ہے۔ لوگ بھکاری خان کی چیرہ دستی اور ظلم سے تنگ آ چکے تھے اور اس کے ہر مخالف کی مدد کے لیے تیار تھے۔ سپاہ دولت کی بھوکی تھی، جو اُن کی حرص زر پوری کرے گا وہ اس کے ساتھ ہوگی۔ مغلانی بیگم نے خفیہ طور پر مغل سپاہ سے ساز باز شروع کی اور اُسے یقین دلایا کہ وہ نہ صرف ان کی تنخواہ میں بہت زیادہ اضافہ کرے گی بلکہ ان کا اعزاز بھی بڑھائے گی۔ یہ جادو سپاہ پر چل گیا اور وہ نواب بھکاری خان کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ حتّٰی کہ خواجہ مرزا خان جیسا معتدل اور معتمد افسر بھی نواب بھکاری خان کا ساتھ چھوڑ کر بیگم سے آ ملا۔ بیگم نے اسے ایمن آباد کا علاقہ جاگیر میں دیا۔ اس طرح وہ خوش ہو گیا۔ اپنی وفاداری اور خلوص کا یقین دلانے کے لیے تنہائی میں وہ دربار میں آیا۔ نواب بھکاری خان سے ملا اور موقع پا کر اُسے گرفتار کر لیا اور خواجہ شہید خان کی حراست میں دے دیا۔[۲] مغلانی بیگم کو ابھی کسی قدر اطمینان کا موقع ملا ہی تھا کہ ایک اور زبردست حادثہ پیش آیا جو اس کی اقتدار پسند اور جاہ پرست

---

[۱] عمدۃ التواریخ از سوہن لال، جلد اوّل - ص ۱۳۹

[۲] خزانۂ عامرہ - ص ۹۹

طبیعت کے سراسر منافی تھا۔ اس وقت مرکز کی طاقت بالکل کمزور تھی اس لیے مختلف علاقے اپنی آزادی کا اعلان کرکے دہلی کی حکومت سے باغی ہو رہے تھے۔ ہر جگہ بغاوت کے شعلے اُٹھ رہے تھے اور فتنہ و فساد کی آگ ہر طرف مشتعل ہو رہی تھی۔ اس قسم کے حالات معین الملک کی ناگہانی موت کی وجہ سے لاہور میں بھی پیدا ہو چکے تھے اور کم سن بچوں کی نظامت نے حالات کو اور زیادہ بدتر بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں دو عملی کا دور دورہ تھا۔ ایک طرف احمد شاہ ابدالی اسے اپنا مفتوحہ علاقہ تصوّر کرتا تھا اور وہاں اپنا عمل دخل رکھنا چاہتا تھا۔ دوسری جانب دہلی کا برائے نام شہنشاہ اسے اپنے ماتحت تصوّر کرتا تھا۔ یہ دو عملی خود سر اور خود غرض امرا کے لیے اپنی من مانی کارروائیوں کے لیے نہایت مفید تھی اور پھر اس صورت میں جبکہ وہاں کی عنانِ حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں تھی، جسے اکثر امیر اپنی خودداری اور مردانہ وجاہت کے منافی خیال کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر وہ خود یہاں کے مالک بن جائیں تو نظامِ حکومت زیادہ مضبوط، پائدار اور عوام کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ سکھوں کو بھی دوبارہ سر اُٹھانے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے پھر قدیم پیشہ غارت گری شروع کر دیا۔

قاسم خان کی بغاوت

اس دورِ اختلال میں ایک ترکی امیر قاسم کے سر میں یہ سودا سمایا کہ وہ سب کو مٹا کر خود لاہور کے صوبے پر قبضہ کرکے یہاں امن و امان قائم کرے۔ وہ معین الملک کا پروردہ تھا اور سپاہی سے ترقی کرکے جمعدار کے عہدے تک پہنچا تھا۔ اس نے معین الملک کی موت پر مُغلانی بیگم کو بڑی مدد دی اور بھکاری خاں کی تجاویز و تدابیر کا خاتمہ کرکے اس نے بیگم کے لیے راستہ صاف کیا۔ اس خدمتِ جلیلہ کی وجہ سے اُسے پٹی کا فوجدار نامزد کیا گیا تھا۔ بیگم اس کی خدمات سے اس قدر خوش تھی کہ اسے "پسر" کہہ کر پکارتی تھی، اس نے پٹی کی فوجداری کے وقت اسے کچھ توپیں عنایت کی تھیں۔ تین سو بدخشانی پیادے جو تلاشِ معاش کے لیے وہاں پہنچے تھے۔ ایک سو ترکی سپاہ، کئی ہزار پیادہ اور گھڑسوار سپاہی اور ہزاروں روپے بھی اس موقع پر عطا کیے[۵۳] یہ اظہارِ عنایت تو ایک خاص موقع پر ہوا تھا، اس کے علاوہ وہ بارہا اس کی عنایات سے بہرہ ور ہو چکا تھا۔

---

[۵۳] سرکار - ۲، ص ۳ - ۵۲

لاہور سے رخصت ہوتے وقت قاسم خاں نے بیگم کی اجازت سے معین الملک کے خانہ دار غلام طہماسپ بیگ مسکین کو اپنے ہمراہ کیا تھا۔ اس نے پہلا پڑاؤ لاہور سے دو کوس کے فاصلے پر کوٹ لکھپت پر کیا۔ جہاں دوسرے دن مسکین بھی اس سے آملا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ مہمان نوازی کے اصول دل کھول کر ادا کیے اور دو سو اشرفیاں رقص و سرود پر صرف کرنے کے لیے عطا کیں۔[۵۴]

معین الملک کی وفات اور بعد کے پیدا شدہ حالات نے سکھوں کو پھر مَن مانی کارروائیاں کرنے کا موقع دیا۔ وہ ہر طرف سرکشی دکھانے لگے، چنانچہ مفتی علی الدین لکھتا ہے کہ

گروہ سنگھیاں از سبب سستیٔ عمل بیگم صاحبہ و عزل و نصب نائبان سنگھیان غلبہ گرفتہ بودند۔[۵۵]

ایسا اتفاق ہوا کہ سکھوں سے اسی دن مڈبھیڑ ہو گئی۔ عام رائے یہ تھی کہ ان کے خلاف جارحانہ اقدام کر کے انھیں ختم کیا جائے، مگر خان اس تجویز کے خلاف تھا۔ اس نے نیم دلی سے سکھوں کا مقابلہ کیا اور کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کی اور کچھ عرصہ بعد اس نے آٹھ ہزار آٹھ سو (۸۸۰۰) سکھوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ لاہور کی جانب آیا اور اپنے خیالاتِ فاسد کا اظہار شروع کیا۔ وہ لاہور پر قبضہ کر کے دہلی کی بادشاہت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس لیے سکھوں کو بے دریغ روپیہ، اور اوزار اور اسلحہ سے نوازا۔ اس سے اس کی فوج میں بد دلی پیدا ہو گئی، اس وقت وہ شاہ بلاول کے مرقد کے قریب مقیم تھا۔ ایک دن اس کے سپاہیوں نے اس کے خیمے کی طنابیں کاٹ دیں اور اسے گرفتار کر کے بیگم کے پاس لے آئے۔ اس نے اسے اپنے محل میں نظر بند کر کے سخت چوکی پہرہ مقرر کیا۔ اب خانہ جنگی کا خدشہ ختم ہو گیا۔ مگر ابھی اسے چین کہاں۔ مئی ۱۷۵۴ء کو لاہور کا کم سن گورنر اور بیگم کا لڑکا محمد امین فوت ہو گیا۔ مسکین اور دوسرے مورخوں کا خیال تھا کہ بھکاری خاں نے اسے ایک خواجہ سرا کے ذریعے زہر دلوا دیا تھا۔ بیگم نے اس حادثے کے بعد اپنی نظامت کا اعلان کر دیا۔ اس نے اپنے نمائندے دہلی اور قندھار روانہ کیے تاکہ وہ اس کے لیے سند حاصل کریں۔ اس معاملے میں اس کا مدمقابل عماد الملک وزیر دہلی ہو سکتا تھا جس کے ساتھ معین الملک کی لڑکی کی سگائی ہو چکی تھی۔ اس کی سفارت دہلی اس وقت پہنچی جب بادشاہ اور وزیر (عماد) کے تعلقات کشیدہ ہو چکے تھے۔ باہمی اتحاد رخصت ہو چکا تھا۔ یہ اس کے لیے نیک

---

۵۴ سرکار بحوالہ روزنامچہ مسکین　　۵۵ تاریخ پنجاب از مفتی علی الدین - ورق ۱۱۷/الف

فال تھی کیونکہ ان حالات میں اس وقت پنجاب کے معاملات کی طرف توجہ دینا ناممکن تھا۔ احمد شاہ کے بعد عالمگیر ثانی نے منعم خان کو پنجاب کی نظامت دی، مگر اصلی قوت و شوکت کا سرچشمہ بیگم تھی، جس کے ہاتھ میں تمام طاقت اور عنانِ حکومت تھی۔

اختلالِ نظم و نسق

اب بیگم کے تمام حریف میدان سے بھاگ نکلے تھے اور ایسا کوئی امیر باقی نہ رہا تھا جو اس کے مقابلے میں امارت کا دعویٰ کر سکے یا اس کے خلاف بغاوت کرے۔ گویا اب وہ پنجاب کی مختارِ مطلق تھی اور بلاشرکت غیرے عنانِ اختیار ہاتھ میں لے کر حکومت کر رہی تھی۔ مگر یہ اُس وقت کی رسوم و رواج اور روایات کے سراسر منافی تھا کہ ایک پردہ نشین خاتون ایک صوبے کی نظامت کا بوجھ اپنے کندھوں پہ اُٹھا کر ذاتی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ ترکی امیر اسے اپنی غیرت کے سراسر خلاف کرتے تھے ان کے تصور میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ ایک عورت کی تخلیق کی غایت حکومت کرنا بھی ہوتی ہے۔ وہ اسے اپنا حق خیال کرتے تھے۔ اس لیے اس کے خلاف دل ہی دل میں جذبات اُبھر رہے تھے اور حقارت کے احساسات بیدار ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ بیگم کے ایک قریب ترین عزیز (ماموں) نے برملا کہہ دیا۔

گفتہ خواجہ سرایان ہر کجا شد پیش رفت　　کہ برآید کام مردان زنان فریق نامراد[۵۶]

یہ تو گھر کی حالت تھی۔ صوبے کے حالات اس سے بھی بدتر تھے۔ وہ ایک آہنی عزم، مستقل مزاج اور باعزم ناظم کے متلاشی تھے۔ تاکہ بدنظمی، بدامنی، اختلال اور پریشانی حالات کا قلع قمع کیا جائے۔ سب سے بڑھ کر اس تصویر کا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ بیگم کے ہاتھ، کان اور آنکھیں خواجہ سرا تھے۔ وہ ان کے ذریعے دیکھتی، ان کے واسطے سے سنتی اور ان کے توسط سے معاملات کو طے کرتی تھی۔ اس لیے اب خواجہ سراؤں کا دور دورہ تھا۔ صوبے کے امرا اور دیوان جیسے دیوان بخشی، فوجدار وغیرہ سب سے اول منعم خان کے سلام و مجرا کو حاضر ہوتے تھے۔ پھر وہاں سے بیگم کی ڈیوڑھی پر حاضری دیتے سلام کرتے اور احکام کے منتظر رہتے، جو بیگم کی طرف سے خواجہ سرا انھیں سناتے تھے۔ اس وقت بیگم کے سب سے بڑے رفیقِ کار اور مشیر تین خواجہ سرا تھے۔ میاں خوش فہم، میاں ارجمند اور میاں

---

۵۶ مآثر الامرا۔ جلد ۱، ص ۳۶۰

مہابت — ! سب سے بڑی بدبختی یہ تھی کہ شامتِ اعمال سے یہ تینوں شاذونادر کسی مسئلے پر متفق ہوتے تھے - یہ چیز ملک سے بڑھ کر بیگم کی تباہی اور ہلاکت کا باعث ثابت ہوئی - اس طرح تمام وقار ختم ہوگیا - نظامِ حکومت میں خلل پیدا ہوا - فتنہ و سرکشی نے ہر طرف سے سر اٹھانا شروع کیا - جا بجا فساد رونما ہوئے - چنانچہ ایک مورخ لکھتا ہے :

"بیگم کی سادگی کی وجہ سے ہر ایک افسر اپنے معاملات کو اپنے رنگ میں پیش کرتا تھا اور باہمی تعاون نام کو نہ تھا - غلام و خواجہ سرا حکومت کر رہے تھے - کاشت کار پہلے سے بدتر حالات میں تھے - تمام نظام درہم برہم ہوگیا تھا - سکھوں نے زیادہ شدت سے سرکشی کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا" [۵۴]

ایسی صورت میں سوائے اس کے کہ ملک کا نظم و نسق تباہ ہو جائے اور کیا ہو سکتا تھا - ملتان کا علاقہ ابدالی کے ناظم کے ماتحت تھا - امرتسر، پٹیالہ، پٹھانکوٹ، کلانور میں سکھوں کی قوت نے زور پکڑ لیا تھا - گجرات کے چار عمال (یعنی گجرات، اورنگ آباد، پسرور اور سیالکوٹ) پر مشتمل تھے جو رستم خان کے ماتحت تھے، اور وہ ابدالی کا نامزد اور اپنے علاقے کا مختار تھا - آدینہ بیگ دوآب جالندھر کا مالک تھا جو لاہور سے آزاد تھا - ستلج اور جمنا کا درمیانی علاقہ شہنشاہ دہلی کے ماتحت تھا - فقط لاہور اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ایسا تھا جو صوبہ لاہور کے ماتحت تھا، مگر وہاں بھی بغاوت کے آثار نمایاں ہو رہے تھے -

خاوند کی جوان مرگی، اختیارات کا نشہ، حریفوں پر فتح - یہ وہ اسباب تھے جنھوں نے بیگم کو آپے سے باہر کر دیا تھا -

دہلی دربار کے اعلیٰ ترین افسروں کی خامیاں ہی اخلاقی کمزوریاں تھیں - یہ بات چنداں مستحسن نہ تھی - اس کے علاوہ آزاد روش نے اسے اور بھی آزاد کر دیا -

مسکین کہتا ہے :

"بعضے شب تا علی الصباح ہم از حضور بیگم صاحبہ رہائی نمی شد بلکہ اکثر بعضے سخنہا کہ عقل ہرگز قبول نکند بر زبان می آوردند" [۵۵]

---

۵۴ سیر المتاخرین، ۳، ص ۵۱ — سرکار، ۱، ص ۳۴۰

۵۵ مسکین - مزید دیکھو غلام علی لاہوری — شاہ عالم نامہ مطبوعہ کلکتہ، ص ۲۶ — میشو پرشاد، ۳۹ ب — خزانۂ عامرہ، ص ۹ - ۹۸

درباری بھلا اسے کب برداشت کر سکتے تھے ۔ بیگم نے اب جو رویہ اختیار کیا تھا وہ کہاں تک اعتنا کے قابل ہو سکتا تھا ۔ انھوں نے تنگ آکر بغاوت شروع کی ۔ سب سے اوّل خواجہ مرزا خان اوزبک نے علمِ بغاوت بلند کیا ۔ وہ معین الملک کا معتمد امیر تھا ۔ اکثر سکھوں کے خلاف مہمات پر نامزد ہوتا رہا اور کامیاب رہا تھا ۔ اوزبک سپاہیوں کو اس پر پورا اعتماد تھا ۔ اپنے آقا کی موت کے بعد وہ بھکاری خان کے ساتھ مل گیا مگر مدبّر عورت نے اسے خان کا خطاب اور ایمن آباد کا پرگنہ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ۔ اس نے اپنے علاقے میں امن وامان قائم کیا ۔ سکھوں کا خاتمہ کیا، اس طرح اس کا رعب قائم ہو گیا ۔

بھکاری خان صاحبِ تدبر تھا، وہ جانتا تھا کہ حالات نے اُسے مغلوب کر دیا ہے، مگر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا اور کوشش ترک کر دینا ایسی شاہراہِ عمل نہ تھی جو ایک باتدبیر، بلند ہمت، عالی حوصلہ انسان کے شایانِ شان ہوتی ۔ اس نے خواجہ مرزا کے بھائی خواجہ محمد سعید خان سے سلسلۂ جنبانی شروع کیا اور کہا: درحرم نواب مغفور رخنہ پدید آمد، لیکن اس صورت میں مناسب اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ انتظام کی عنان مرزا خواجہ اپنے قبضے میں لے لے ۔ وہ اس فیصلے کی رو سے لاہور آیا ۔ خواجہ سعید نے فوج اور سپاہ کو پیشتر ازیں اپنے ساتھ ملا رکھا تھا، وہ خواجہ مرزا کے ساتھ مل گئے ۔ اس نے بیگم کو حراست میں لے کر اسے ایک مکان میں نظر بند کر دیا اور اس کی ڈیوڑھی کی تلاشی لینی شروع کی اور اسے جواہرات اور قیمتی زیورات، سونا چاندی کے اسباب اور مال و دولت سے بالکل خالی کر دیا ۔ اس طرح اس عظیم الشان ڈیوڑھی میں کوئی بھی قابلِ ذکر چیز باقی نہ رہی ۔ مسکین کہتا ہے :

اس کے بعد مرزا خواجہ بیگم کو اس کے محل میں واپس لایا ۔ اس وقت میں (مسکین) اور محمد عاقل زرہ بکتر پہنے بیگم کے قصر میں گئے ۔ انھوں نے ایک خواجہ سرا کے ذریعے یہ گزارش پہنچائی کہ خواجہ مرزا اور بھکاری خان اکٹھے بیٹھے ہوئے ہیں ۔ اگر انھیں حکم دیا جائے تو وہ انھیں اسی وقت ایک ہی وار میں ختم کر سکتے ہیں ۔ مگر انھیں ایسا کرنے سے روک گیا ۔

اگلی صبح کو سات یا آٹھ ہزار پوربی پیادوں نے مرزا خواجہ کے آدمیوں پر حملہ کیا مگر وہ شکست کھا کر تتر بتر ہو گئے ۔ اب اسے سرکاری محل سے علیحدہ کر کے اس کی ماں کی ڈیوڑھی میں نظر بند کر دیا گیا ۔ یہ بات بھی زیادہ موثر ثابت نہ ہوئی ۔ وہ نظم و نسق کے قائم کرنے میں ناکام رہا ۔ اس کے ہم وطن سپاہیوں نے

اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لیے مقامی افسر اور با اثر لوگوں نے اپنے اپنے حلقے میں اپنا اثر قائم کر لیا۔ اس کے باوجود خواجہ نے سکھوں کو دبا لیا۔ مرزا خواجہ نے اپنی صوبے داری کا اعلان کیا اور سب امیروں کو مجبور کیا کہ وہ نذر نیاز پیش کریں اور آداب و کورنش بجا لائیں۔ اس طرح باہمی چشمک پھر سے پیدا ہو گئی اور باہمی عدم اتحاد اور حسد و رقابت کے جذبات پھر سے بیدار ہوئے۔ ادھر مغلانی بیگم بھی مارے غصے کے انتقام کے انگاروں پہ لوٹ رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر بھکاری اور مرزا کا زوال دیکھنا چاہتی تھی اور اس طرح اپنی تباہی کا بدلہ لے کر دل ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔ اس نے نہایت ہوشیاری سے اپنی سفارت قندھار بھیجی، اس میں خواجہ عبد اللہ خان (بیگم کا ماموں) عبد الصمد خان سابق ناظم لاہور کا چھوٹا بیٹا اور نواب زکریا خان کا چھوٹا بھائی شامل تھے۔ انھوں نے احمد شاہ ابدالی کے سامنے مغلیہ سرداروں کی مخالفت و چیرہ دستی کا شکوہ کیا اور یہ ذہن نشین کرایا کہ میر منو کی وفات کے بعد پنجاب میں فتنہ و فساد، بدامنی اور قتل و غارت کی ساری ذمہ داری مغل سرداروں پر عائد ہوتی ہے۔

بادشاہ نے ان کی باتوں پر غور کیا اور پشاور کے ناظم جہان خان کے بھائی امان خان کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ پنجاب میں جائے اور پھر سے بیگم کو وہاں کے اختیار سونپ آئے۔ یہ امیر جو باہم منافقت سے اکٹھے تھے بھلا تازہ دم افغان فوجوں کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ خواجہ مرزا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ شہر میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا۔ ایک مصنف کہتا ہے کہ "چالیس لاکھ روپے فوج نے لوگوں سے لوٹے۔ بیگم کو گدی پر متمکن کیا گیا اور خواجہ عبد اللہ اس کا نائب مقرر ہوا۔ بھکاری خان بیگم کے حوالے ہوا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بیگم کے روبرو لایا گیا۔ بیگم نے اسے بری طرح سے پٹوایا وہ بے بہاؤ کے جوتے اور لاٹھیاں پڑیں کہ پناہ بخدا۔ خواجہ سرا اسے گھونسے مارتے تھے اور ساتھ ہی کہتے تھے کہ تمھاری گردن پر دو خون ہیں (معین الملک کا اور محمد امین خاں کا) یہ ان کا قصاص ہے"۔ جب وہ بے ہوش ہونے لگا تو بیگم نے اپنے خنجر سے اسے دو چرکے لگائے۔ آخر وہ اسی حالت میں مر گیا۔ اس کی لاش شہر پناہ کی خندق میں پھینک دی گئی [۵۹]

(باقی آئندہ)

---

۵۹ خزانہ عامرہ، ص ۹۹ — سیر المتاخرین جلد دوم، ص ۵۱ — شاہ عالم نامہ، ص ۲۶ — سوہن لال، ۱، ص ۱۳۹۔ غلام علی (بھکاری خان کا بیٹا تھا)۔